© rasailojaraid.com

جماعت سازی اور اس کی بنیادیں (۴)

قاری یحییٰ اشرف عبدالغفار☆

مشاورت کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ

آیئے اب مشاورت کے باب میں اُسوۂ رسولؐ اور خلفاء راشدینؓ کا تعامل پیش کیا جاتا ہے‘ جس کا اتباع بموجب حدیث نبویؐ ((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ)) ہمارے لیے ضروری ہے۔

واقعہ ا: صلح حدیبیہ: آیت کریمہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ﴾ کی شرح میں پہلے تفصیلاً واضح کیا جاچکا ہے کہ کسی بھی معاملے میں مشیروں کا کام صرف مشورہ دینا ہے۔ اب امام کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی کی رائے پر عزم کر کے نفاذ کرے یا اپنی رائے پر عزم کر کے نفاذ کرے۔ اس کی سب سے بڑی نظیر صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے‘ جس کی تفصیلات میں یہ موجود ہے کہ شرائط صلح نامہ اور احرام کھولنے میں جمہور صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی رائے سے اختلاف کیا‘ لیکن آپ ﷺ نے صلح کو مناسب سمجھ کر اُن میں سے کسی کی رائے کو اختیار نہیں کیا‘ بلکہ اپنی رائے پر عزم کر کے اس کو نافذ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا اختیار امیر ہی کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ ملکہ بلقیس نے جب اہل دربار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پا کر مشورہ طلب کیا تھا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲﴾ (النمل) ”اے درباریو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو‘ کیونکہ میں کسی معاملہ میں قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم نہ حاضر ہو۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع امر یعنی نفاذ تو امیر ہی کا حق ہے‘ البتہ مشورہ اہل دربار سے لے لیا جاتا ہے۔ اہل دربار نے جواب دیا: ﴿نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ۝۳۳﴾ ”ہم اہل قوت ہیں اور سخت لڑنے والے ہیں‘ لیکن معاملہ کا اختیار تمہیں ہے‘ پس تم غور کر لو کیا حکم دینا ہے۔“ اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اصل اختیار امیر کو ہے۔ چنانچہ اس کے تحت تفسیر کبیر میں مرقوم ہے: **وذلك اظهار الطاعة لها** ”اور اس میں بلقیس کے لیے اطاعت کا اظہار ہے“۔ (۱۰۶)

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ‘ شعبہ تحقیق اسلامی‘ قرآن اکیڈمی لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الغرض صلح حدیبیہ کے واقعہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ امیر اہل شوریٰ کا پابند نہیں ہے' بلکہ نفاذ میں مختار ہے۔

واقعہ۲: رسول اللہ ﷺ نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے پر حرف بحرف عمل فرمایا۔ پس امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کا مشورہ قبول کر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ عورتوں کا مشورہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ ہر عورت ایسی نہیں ہوتی کہ اس کی رائے کو اہمیت نہ دی جائے۔

واقعہ۳: ایک اور واقعہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ یہ باندی تھیں اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' جو غلام تھے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا۔ آزاد ہو جانے کے بعد زوجہ کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا اور حضرت مغیثؓ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت مغیثؓ کو چونکہ ان سے محبت تھی اس لیے حضرت بریرہؓ کی علیحدگی سے بہت پریشان ہوئے۔ گلی کوچہ میں ان کی جدائی کے سبب روتے پھرتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو حضرت مغیثؓ پر رحم آیا اور حضرت بریرہؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت مغیثؓ سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا: اَتَاْمُرُنِی ''کیا آپ حکم فرما رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا الشَّفْعُ)) ''میں سفارش کرتا ہوں''۔ یعنی حکم نہیں مشورہ ہے۔ حضرت بریرہؓ نے عرض کیا: لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهِ (مجھے اس کی ضرورت نہیں)[(۱۰۷)] اس پر آنحضور ﷺ نے نہ تو انہیں مجبور کیا نہ ناگواری کا اظہار کیا۔ اس واقعہ سے جہاں مشورہ کی حقیقت اور عدم جبر کی اہمیت معلوم ہوئی وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا مشورہ قبول نہ کیا جائے تو اس کو مشیر سے منقبض نہیں ہونا چاہیے۔ غرضیکہ مشورے کا معاملہ حتمی فیصلے سے جدا ہے۔ اس حتمی فیصلہ کو فَاِذَا عَزَمْتَ میں عزم سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے عزم کر لینے کے بعد پھر کسی کو مخالفت کی گنجائش نہیں رہتی' پھر تو بس سمع و طاعت ہی ہے۔

واقعہ۴: غزوۂ احزاب میں تمام عرب قبائل اور یہودیوں کی اتحادی طاقت نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا تھا۔ کفار کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار تھی۔ نبی اکرم ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اس مجلس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی بنفس نفیس اس کام میں شریک ہو گئے۔ اس غزوہ میں جب محاصرہ طویل ہو گیا اور مخالفین کی کثرت سے مسلمان مضطرب ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو بلوایا۔ یہ دونوں قبیلہ غطفان کے سردار تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے مدینہ کی ثلث پیداوار پر مصالحت کی بات شروع کی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو مصالحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کو آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ آیہ کریمہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کے تحت احکام القرآن میں ہے:

اشار علیه السعدان (ای سعد بن معاذ وسعد بن عبادة) یوم الخندق بترك مصالحة غطفان علی بعض اثمار المدینة فقبل منهم(۱۰۸)

''حضراتِ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے غطفان سے مدینہ کی کچھ پیداوار پر مصالحت نہ کرنے کا مشورہ دیا تو اسے آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔''

ان دونوں واقعات سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ اقلیت کے مشورے کو بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ممبرانِ شوریٰ کا متعین ہونا ضروری نہیں۔ **کیف ما اتفق** یعنی امیر جس سے چاہے مشورہ کرے یا جو چاہے مشورہ دے دے۔ امیر کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔

واقعہ۵: رسول اللہ ﷺ نے جب قافلۂ ابوسفیان کے تعاقب کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ قافلۂ مذکورہ کا تعاقب کیا جائے یا یہیں سے واپسی کی جائے تو حضراتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے آپ ﷺ نے اعراض کیا۔ اور جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے قبول فرما لیا اور قافلے کا تعاقب کیا۔(۱۰۹)

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشورہ کے لیے تعیین اشخاص ضروری نہیں' بلکہ متعلقین معاملہ سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں آپ ﷺ نے انصار کی رائے معلوم کی' کیونکہ ان سے ہی معاملہ کا تعین تھا' اور حضراتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے افضل الامت کے مشورے سے بھی اعراض کیا۔ نیز اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری بھی خوب جھلک رہا ہے کہ اعراض پر انہیں ذرہ برابر گرانی نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریق کار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو سب سے پہلا کام جو آپؓ نے کیا وہ جیش اسامہؓ کی روانگی تھا۔ چنانچہ آپؓ نے حکم دے دیا کہ لشکر اسامہ تیار ہو کر روانہ ہو جائے۔ اُس وقت بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے۔ نفاق کی تاریکی الگ چھائی ہوئی تھی۔ ان حالات کے تحت حضراتِ صحابہؓ پر لشکر اسامہ کو روانہ کرنا شاق گزر رہا تھا۔ چنانچہ روایات میں ہے: **فشق ذلك علی کبار المهاجرین الاولین** ''یہ (جیش اسامہ کی روانگی) مہاجرین اوّلین پر بہت گراں گزری''۔(۱۱۰)

اسی واقعہ میں ہے کہ انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت ابوبکرؓ تک یہ بات پہنچائی کہ اگر روانگی لشکر ضروری ہے تو بجائے حضرت اسامہؓ کے کسی زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ شخص کو ہمارا سردار مقرر کیجیے۔ جب حضرت عمرؓ نے انصار کا پیغام سنایا تو حضرت ابوبکرؓ غصے میں بیتاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور تیزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ فرمایا:

ثکلتك امك یا ابن الخطاب استعمله رسول اللهﷺ تامرنی ان اعز له(۱۱۱)

''اے خطاب کے بیٹے! تم کو تمہاری ماں گم کرے' ان کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اِن کو معزول کر دوں؟''

اس واقعہ میں متعدد مشوروں کے باوجود امیر نے تنہا اپنے عزم پر عمل کیا' کسی کا مشورہ قبول نہیں کیا۔ اس عزم و توکل اور اطاعت رسول اللہ ﷺ کی برکت کا ایسا ظہور ہوا کہ جس قبیلے کی طرف سے یہ لشکر گزرتا تھا اس پر رعب طاری ہو جاتا تھا اور وہ اسلام کی طرف یہ کہتا ہوا آ جاتا تھا کہ اگر ان کے پاس قوت نہ ہوتی تو اتنی بڑی جمعیت ان کے پاس سے نہ نکلتی۔

واقعہ٦ : رسول اللہ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل نے مرتد ہو کر بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا اور مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ نماز تو ہم سے پڑھوا لیجیے مگر زکوٰۃ معاف کر دیجیے۔ ان کا پیغام سن کر آپؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' سب نے صلاح دی کہ نرمی کا وقت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفَقْ بِهِمْ** ''اے خلیفہ رسول اللہ! لوگوں کے ساتھ نرمی اور الفت کا برتاؤ کیجیے''۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَخَوارٌ فِی الْاِسْلَامِ؟ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقَصُ وَاَنَا حَیٌّ؟ وَاللّٰہِ لَاُجَاهِدَنَّهُمْ وَلَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالاً**(۱۱۲) ''تم جاہلیت میں تو بہادر تھے اور اسلام میں آ کر کمزور ہو گئے؟ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا اور دین کمال کو پہنچ گیا۔ میری زندگی ہی میں دین ناقص کر دیا جائے (یہ ہرگز نہیں ہوگا)۔ اللہ کی قسم! یہ لوگ فرض زکوٰۃ سے رسّی کا ٹکڑا بھی دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے لازماً جہاد کروں گا''۔ دیکھیے اس واقعہ میں حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ تو کیا مگر ان کی رائے کے خلاف اپنی رائے پر عزم کر کے قتال مرتدین کا حکم نافذ فرما دیا۔ اور اگرچہ یہ حکم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کے خلاف تھا مگر سب نے بلاچون و چرا تسلیم کر لیا' کسی نے بھی ان کے خلاف آواز نہ اٹھائی' کیونکہ وہ مخلص تھے۔

واقعہ٧: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات میں ہی خلیفہ مقرر فرمایا تو آپؓ کی جرأت و بے باکی کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُن کی خلافت سے اختلاف ہوا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت علی و طلحہ رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور دونوں نے دریافت کیا کہ آپؓ نے کس کو خلیفہ بنایا ہے؟ فرمایا عمر کو! دونوں صاحبوں نے کہا: آپ اپنے ربّ کو کیا جواب دیں گے؟ آپؓ نے فرمایا: کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو؟ یقیناً میں اللہ کو اور عمر کو تم دونوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر دوں گا کہ میں لوگوں پر بہترین اہلیت رکھنے والے کو خلیفہ بنا آیا ہوں۔(۱۱۳) اس واقعہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی امیر کے عزم و نفاذ کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی کے مشورہ کو نہ مانا' بلکہ اپنے عزم پر عمل فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعامل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ حاضر دماغ' زیادہ عقل مند' زیادہ علم والا اور زیادہ حلیم الطبع کسی کو نہیں دیکھا۔ اور میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ اُن سے مشکل کاموں میں مشورہ لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے مشکل کام آ گیا۔ پھر آپؓ ان کے قول سے تجاوز نہ فرماتے تھے' حالانکہ آپؓ کے اردگرد اہل بدر مہاجرین و انصار ہوتے تھے۔(۱۱۴)

مذکورہ بالا روایت سے صاف پتا چلتا ہے کہ کثرت کے مقابلہ میں کسی منفرد کی بات پر عمل کرنا' جبکہ امام کو شرح صدر ہو جائے' جائز و درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی کے ابن عباسؓ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے' حتیٰ کہ آپؓ بعض اوقات کسی عورت کے مشورہ کو بھی قبول فرما لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیہقی میں حضرت ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی مشورہ لیتے تھے' پھر کبھی اس عورت کے مشورہ میں اچھی بات پاتے تو اس کو اختیار کر لیتے تھے۔(۱۱۵)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار عزم امیر پر ہے' چاہے عورت کی بات سے بھی اس کو شرحِ صدر ہو جائے۔ جیسا کہ ماقبل بحث میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورۂ نحر و حلق کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک واقعہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کا ممبر بننے کے لیے ایک مقامی رئیس شیخ زادے کی خواہش پوری نہ ہونے پر اس درجہ شورش اور فتنہ برپا ہو گیا تھا کہ مدرسہ بند ہو جانے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس لیے مدرسہ کے اراکین اور مہتمم وغیرہ سب حضرات نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت! ایسے سنگین حالات میں اگر ان کو ممبر بنا لیا جائے تو یہ شر اور فتنہ بھی دفع ہو جائے گا اور بظاہر ضرر بھی کچھ نہ ہوگا' کیونکہ کثرت تو پھر بھی حضرت کے خدام ہی کی رہے گی۔ حضرت گنگوہی نے ان کی ممبری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ مدرسہ کا مقصد رضائے الٰہی ہے' نااہل کو ممبر بنانے میں ہم سے مؤاخذہ ہوگا اور ممبر نہ بنانے سے' اگر مدرسہ بند ہو گیا تو باز پرس اُن سے ہوگی۔ اس جواب پر سب خاموش ہو کر اپنی رائے سے خالی الذہن ہو گئے' اور اس پر عمل کرنے سے سب شر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم ہو گیا۔(۱۱۶)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشادات

(۱) ''یہ بات اصولِ شرع و اسلام سے ہے کہ کام دراصل ایک ہی شخص کی رائے سے ہوتا ہے اور اپنی اعانت کے لیے وہ دوسروں کی بھی رائے لے لیتا ہے۔ اس مشورہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ معاملے کے سب پہلو اس سے متحضر ہو جاتے ہیں۔ جب سب پہلو نظر میں آ جاویں تو اس کا کام یہ ہے کہ ان میں سے جو پہلو خود انتخاب کرلے اسی کا حکم دے دے' یہی طریق مشروع و معقول ہے''۔(۱۱۷)

(۲) ''پس اپنی اپنی رائے یا کثرتِ رائے کا اتباع نہ کر' بلکہ واحد کا اتباع کرو''۔(۱۱۸)

شبہ : اسلامی وحدت کی ضرورت پر نظری یقین رکھنا اور عملی تطبیق نہ کرنا

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی وحدت آج کل کی ایک اہم ضرورت ہے اور بندۂ مؤمن کی دلی خواہش بھی ہے' خاص طور پر ایسے مقامات پر جہاں خاص طور پر مسلمان سخت امتحان اور مصیبتوں کا سامنا کر رہے ہوں۔ ایسے مواقع پر بعض اوقات اکثر مسلمانوں کی طرف سے حیرت اور اضطراب کا اظہار ہوتا ہے جب ان کے سامنے ایک سے زائد اسلامی جماعتیں مختلف طریقوں سے مصروفِ عمل ہوں اور اُن کے موقف بھی مختلف ہوں۔ بعض اوقات ان کے پلیٹ فارم سے ایک دوسرے کے لیے متعصبانہ انداز میں اظہارِ خیال ہوتا ہے جس کی وجہ سے عامۃ الناس مایوسی کا شکار نظر آنے لگتے ہیں۔ تو اِس اشکال نے مجھے اس کا جواب اور حل لکھنے پر مجبور کیا' بالخصوص اس وجہ سے کہ اس کا کوئی وافی جواب موجود نہیں تھا۔ ایک اور سبب جس نے مجھے جواب دینے پر مجبور کیا' وہ ہے اساسی نظریات اور عملی تحقیق وضع۔ بعض اسلامی کارکن اسلامی وحدت کی ضرورت پر نظری یقین تو رکھتے ہیں لیکن عملی تطبیق کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض اسلامی جماعتوں کی حقیقت جاننے کی کوشش نہیں کرتے' جس کی وجہ سے وہ اپنے تصرفات' آراء اور موقف میں غلطی کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء متعدد اسلامی جماعتوں کو اسلامی وحدت اور اُمت کے لیے ناسور سمجھتے ہیں' تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ایسی اسلامی جماعتوں کو اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لیے ایک ہی پلیٹ فارم پر بلایا جائے؟ اس مسئلے نے ان گروہوں کو مزید تقویت دی ہے جو اسلامی جماعتوں کو دراصل اسلامی وحدت کے لیے ناسور سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے ان جماعتوں کی اس غلط فہمی نے اُمت کو انتشار' تفرقہ' پارٹی بازی اور تعصب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ماضی کی طرح آج بھی ایسے کئی نوجوان اور جماعتیں موجود ہیں جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ متعدد فقہی مذاہب و مسالک درست نہیں ہیں' اور علمی مدارس کے بارے میں بھی ان کی رائے اچھی نہیں ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کیوں ہیں اور ایک شرعی مسئلے میں متعدد آراء کیوں ہیں' جبکہ ہمارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین ایک ہے' قرآن ایک ہے اور سنت نبویؐ ایک ہے؟ اُس وقت کی اوضاع نے اِس غلط فہمی کو مزید تقویت دی جبکہ بعض مذاہب کے متبعین کا رویہ متعصّبانہ تھا۔ وہ دوسرے مذہب و مسلک کی آراء ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس صورت حال میں مخلص علماء کرام نے ماضی میں بھی اور موجودہ دَور میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ علماءِ حق نے اس علمی اختلاف کی حقیقت کو واضح کیا جو علماء کے درمیان چل پڑا تھا اور اس کے اسباب کی وضاحت کی' یعنی کسی مسئلے میں آراء کا مختلف ہونا ایک طبعی اور شرعی عمل ہے جو اپنے محل میں اسباب کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ جن اصحاب کو شکایت تھی' وہ دور کر دی گئی۔

اس طرح جماعت سازی کی مثال بھی اُس اختلاف کی تھی جو اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ جس طرح ایک علمی مسئلے میں ایک سے زائد آراء ممکن ہیں' حالانکہ ہمارا دین ایک ہے' اسی طرح اسلامی جماعت سازی بھی اسلام میں ایک طبعی اور شرعی عمل ہے۔ آج کل خاص طور پر ایک اور سبب جو کہ اسلامی جماعت سازی کی وجہ بنا ہے' وہ ہے دعاۃِ اسلامی کا طریق دعوت (یعنی منہج) میں اختلاف۔ ہر داعی کی کوشش ہے کہ اسلامی نظام کے لیے کام کرے اور اپنے مقصد اور ہدف کو حاصل کرنے کے لیے آسان سے آسان تر راستوں کو تلاش کرے۔ ایسے راستے جو قریب سے قریب تر اور آسان ہوں۔ چونکہ طریقۂ کار میں ہر داعی کا نقطۂ نظر مختلف ہے' وہ اپنے ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنے راستے کا تعین کرتا ہے' لیکن غرض' مقصد اور ہدف سب کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ ہے اسلامی نظام کی حفاظت اور اس کا نفاذ۔ ان دعاۃ کی اس کوشش کی مثال اس حال میں جب کہ وحدتِ دین ہو اور قرآن وسنت اصل مصدر ہوں' انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منہج کی طرح ہے' کیونکہ انبیاء کا طریقۂ دعوت تو مختلف تھا' شرائع بھی مختلف تھیں' لیکن ملت ایک تھی۔ جیسا کہ کفر ملتِ واحدہ ہے۔ وحدتِ ملت انبیاء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۚ﴾

(الانعام: ۱۶۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے ربّ نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک مستحکم دین ہے' جو طریقہ ہے ابراہیم کا' جس میں ذرا کجی نہیں۔''

اور اسی طرح فرمان ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ﴾ (النحل: ۱۲۳)

''پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں۔''

اور اسی طرح ملت کفار کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۲۰)

''آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں (یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کرلیں)''۔

انبیاء اور دعاۃ کی جدوجہد اور دعوت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انبیاء کا طریقہ مختلف ہونے کے باوجود ملت ایک تھی۔ (۱۱۹) لیکن جس طرح انبیاء معصوم عن الخطا (یعنی خطا سے پاک) ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے' بالکل اسی طرح دعاۃ کا طریقۂ کار مختلف ہونے کے باوجود ان کا دین اور رسالت ایک ہے۔ لیکن دعاۃ اور علماء کے اجتہادات میں وحی کی روشنی میں ایک بشر (انسان) ہونے کے ناطے غلطی اور صواب دونوں کا امکان موجود رہتا ہے جو کہ قابل نقد اور مناقشہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ اجر سے کسی حال میں محروم نہیں رہتے۔ ان شاء اللہ!

شبہ: بیعت صرف اسلامی ریاست کے حکمران سے متعلق ہے

رہا یہ اشکال کہ بیعت صرف اسلامی ریاست کے حکمران سے متعلق ہے اور عدم وجود کی صورت میں کسی کے لیے جائز نہیں ہے' کیونکہ ایک تو یہ باب مفاعلہ سے ''مبایعۃ'' ہے' اور لینے اور دینے والی صورت غیر حاکم کے لیے نہیں بنتی جب تک کہ وہ یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں امیر عام ہوں یا یہ کہ ہمارے پاس ابھی کسی اسلامی ریاست کا وجود نہیں ہے۔ سابقہ انبیاء اور ان کی اُمتوں کے مکمل حالات ہمیں معلوم نہیں' ان کے متعلق کسی بات کا دعویٰ کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور اگر معلوم ہوں بھی تو ہم محمد ﷺ کی اُمت ہیں' کسی اور پیغمبر کی نہیں' ہمارے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ چنانچہ میں اسی کو سامنے رکھ کر بات کروں گا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے مکمل احکام تقریباً تیئیس برس میں اترے۔ جتنے احکام اترتے' مسلمان ان پر عمل کرتے۔ ان میں سے کچھ احکام مکہ مکرمہ میں اترے اور کچھ مدینہ میں' مگر دین مکمل ہونے کے بعد اب تمام احکام پر قیامت تک کے لیے عمل لازم ہے۔ اس میں وہ استثناء تو ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:۱۶) ''پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے''۔ مگر یہ استثناء نہیں ہوسکتا کہ فلاں فلاں چیزیں چونکہ اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد فرض ہوئیں اس لیے وہ اِس وقت فرض نہیں۔ اگر یہی فلسفہ عمل میں لایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اذان' اقامت اور نماز باجماعت اس وقت تک فرض نہیں ہوئیں جب تک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی۔ اموال میں اڑھائی فیصد زکوٰۃ' مواشی میں ایک خاص نصاب کے مطابق صدقہ اور زمین کی آمدنی سے عشر اُس وقت تک فرض نہیں ہوا جب تک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی۔ رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے جب تک اسلامی ریاست کے قیام کو ڈیڑھ سال نہیں گزرا۔ شراب اُس وقت تک حرام نہیں ہوئی جب تک اسلامی ریاست کے قیام کے بعد چھٹا یا آٹھواں سال شروع نہیں ہوا۔ (۱۲۰) متعہ کی حرمت کا واضح اعلان آپ ﷺ نے خیبر کے موقع پر اس وقت کیا جب اسلامی ریاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قیام کو چھ برس گزر چکے تھے۔ اسی طرح گھریلو گدھے کی حرمت کا اعلان بھی اُسی وقت ہوا۔(۱۲۱) سود کی حرمت کی آیات اس وقت تک نہیں اُتریں جب تک اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد دوسرے تمام احکام مکمل نہیں ہوئے۔ یہ تقریباً دس ہجری کی بات ہے۔ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

آخر ما انزل علی رسول اللہ ﷺ آیة الربا (۱۲۲)

''رسول اللہ ﷺ پر سب سے آخر میں جو آیت اتری وہ سود کی آیت تھی۔''

آپ کے کہنے کے مطابق ہمارے پاس ابھی کسی اسلامی ریاست کا وجود نہیں تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جب تک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آتی اس وقت تک اذان' اقامت اور باجماعت نماز فرض نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کے قیام تک اس نصاب کے مطابق زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہے۔ رمضان کے روزے بھی اسلامی ریاست قائم ہونے تک فرض نہیں۔ اسلامی ریاست کے قیام تک شراب بھی حلال ہے اور اس پر کوئی حد نہیں۔ متعہ سے لطف اندوز ہونے کی گنجائش بھی اسلامی ریاست کے قیام تک موجود ہے اور اس وقت تک گدھوں کا گوشت بھی کھایا جا سکتا ہے جب تک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آتی۔ اسی طرح سود کا لین دین بھی جائز ہے۔ اور آپ کے فلسفے کو اگر مزید آگے بڑھایا جائے تو اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی کم از کم چھ سال تک شراب حلال رہے گی' اتنی ہی مدت تک متعہ کی گنجائش باقی رہے گی' گدھے کا گوشت حلال رہے گا اور تقریباً دس سال تک سود جائز رہے گا۔ زنا' چوری' بہتان وغیرہ کی حدیں بھی اسلامی ریاست کے قیام کے اتنے سال بعد شروع ہوں گی جتنے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد شروع ہوئیں۔ تقریباً یہی بات وہ حضرات کہتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ جب تک معاشرے کی اخلاقی حالت درست نہ ہو زنا کی حد لگانا ظلم ہے' جب تک معاشرے میں غربت اور معاشی ناہمواری ختم نہ ہو چور کا ہاتھ کاٹنا زیادتی ہے۔

نہیں میرے بھائی! یہ فلسفہ درست نہیں۔ کوئی چیز اسلامی ریاست قائم ہونے سے پہلے فرض ہوئی یا بعد میں' اب وہ قیامت تک کے لیے فرض ہے اور جونہی اس فرض کو ادا کرنے کی استطاعت ہو' فوراً اسے ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح کوئی چیز اسلامی ریاست قائم ہونے سے پہلے حرام ہوئی یا بعد میں' اب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ جماعت سازی اور بیعت کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اگر اسلامی ریاست موجود نہ ہو تو اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لیے جو بھی کوشش کرے گا وہ یہی راستہ اپنائے گا' دوسرا اور تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا فرائض کی ادائیگی اگر بغیر اسلامی ریاست و حکمران کے ایک مسلمان کر سکتا ہے تو اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد کے لیے جماعت سازی اور مسنون بیعت فی المعروف بھی کر سکتا ہے۔

لیکن اصل بات یہ نہیں ہے' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم کچھ کرتے نہیں' یا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انسان جب کچھ کر نہیں سکتا یا کرتا نہیں تو اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنے کی بجائے اس کا نفس اسے بہلاتا ہے' فریب دیتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ نہیں تم بھی کچھ ہو۔ جو لوگ پاکستان یا دنیا کے دیگر خطوں میں جاری اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اٹھنے والی تحریکوں پر اعتراض کرتے ہیں درحقیقت ان کی نیت درست نہیں۔ یہ لوگ عملی کام سے جان چھڑانے کے لیے یہ بات کہتے ہیں کہ ہم اقامت دین کے کام کے منکر نہیں ہیں' ہم بھی نفاذ اسلام کے قائل ہیں۔ اور پھر جب انہیں کوئی کہتا ہے کہ آپ نفاذِ اسلام کے لیے اٹھتے کیوں نہیں ہیں؟ اور آپ کے پاس نفاذِ اسلام کے لیے کون سا مسنون طریقہ ہے؟ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اس طرح کوشش کے قائل ہیں' لیکن سبب یہ ہے...... وجہ یہ ہے...... رکاوٹ یہ ہے...... مانع یہ ہے ...... وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اصل بات نہیں سمجھتے۔ ہماری اس بات کی دلیل کہ ان کی نیت خراب ہے' قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ (التوبة)

''اور اگر ان کا جہاد پر نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس کی تیاری ضرور کرتے' لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لیے اس نے انہیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ''۔

آگے نہ جانے کے کچھ بہانے تو موجود ہیں۔ لیکن جب تیاری ہی نہیں کرتے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں' ان کی نیت خراب ہے۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ترجوا النجاة ولم تسلك مسالكها
لا تجری السفينة علی اليبس [۱۲۳]

یعنی آپ کامیابی اور کامرانی بھی چاہتے ہیں اور کامیابی کا جو راستہ ہے وہ بھی نہیں اپناتے' یہ تو ایسے ہے جیسے خشک زمین پر کوئی کشتی چلائے۔ لیکن جیسے خشک زمین پر کشتی نہیں چل سکتی اسی طرح نفاذِ اسلام بغیر اجتماعی جدوجہد کے ناممکن ہے' اور اجتماعیت بغیر قیادت کے' اور قیادت بغیر سمع و طاعت کے ناممکن ہے۔ اس لیے علماء نجد کہتے ہیں: **لا اسلام الا بالامارة ولا امارة الا بالطاعة** ''اسلام بغیر امارت کے نہیں اور امارت بغیر طاعت کے نہیں''۔ لیکن کیا کیا جائے' یہ لوگ کام تو کرتے نہیں' الٹا اعتراضات اور اشکالات پیدا کرتے ہیں۔ پھر اگر ہم کچھ کہتے ہیں تو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک عربی شاعر اپنی محبوبہ کے بارے میں کچھ اس طرح رقم طراز ہے:

ويلاه ان نظرتُ او ان هی اعرضتُ
وقع السهام ونزعهن اليم [۱۲۴]

''ہلاکت اور بربادی ہے اگر دیکھوں تب بھی اور نہ دیکھوں تب بھی' کیونکہ تیر لگنے سے بھی درد ہوتا ہے اور نکالنے سے بھی''۔

بالکل اسی طرح اگر ہم دلیل پیش نہیں کرتے تو کہتے ہیں دلیل نہیں' اور اگر دلیل پیش کرتے ہیں تو یہ تاثر ملتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ آپس میں جھگڑا اور تفرقہ بازی ہے' اور یہ لوگ ان دلائل پر عمل بھی نہیں کرتے' جیسا کہ اوپر اصل کیفیت نقل کر دی گئی ہے۔ اس کیفیت کی مزید وضاحت کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے پیش خدمت ہے۔ مولانا مودودیؒ نے فرمایا ہے:

''اگر آپ کا بچہ بیمار ہو تو آپ اس کی زندگی و موت کے سوال کو بالکلیہ کسی دوسرے پر ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ ممکن نہیں کہ آپ یہ عذر کر کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں کہ کوئی تیمار دار نہیں' کوئی دوا لانے والا نہیں' کوئی ڈاکٹر کے پاس جانے والا نہیں۔ اگر کوئی نہ ہو تو آپ سب کچھ خود بنیں گے' کیونکہ بچہ کسی دوسرے کا نہیں' آپ کا اپنا ہے۔ سوتیلا باپ تو بچے کو مرنے کے لیے چھوڑ بھی سکتا ہے مگر حقیقی باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کو کیسے چھوڑ دے گا! اس کے تو دل میں آگ لگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کام سے بھی اگر آپ کا قلبی تعلق ہو تو آپ دوسروں پر نہیں چھوڑ سکتے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے کی نا اہلی یا غلط روی یا بے توجہی کو بہانہ بنا کر آپ اسے مر جانے دیں گے اور اپنے دوسرے مشاغل میں جا کر منہمک ہو جائیں گے۔ یہ سب باتیں اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ خدا کے دین اور اس کی اقامت و سربلندی کے مقصد سے آپ کا رشتہ محض ایک سوتیلا رشتہ ہے۔ حقیقی رشتہ ہو تو آپ میں سے ہر شخص اس راہ میں اپنی جان لڑا کر کام کرے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر آپ اس راہ میں کم از کم اتنے قلبی لگاؤ کے بغیر قدم بڑھائیں گے جتنا آپ اپنے بیوی بچوں سے رکھتے ہیں تو انجام پسپائی کے سوا کچھ نہ ہو گا اور یہ ایسی بُری پسپائی ہو گی کہ مدتوں تک ہماری نسلیں اس تحریک کا نام لینے کی جرأت بھی نہ کر سکیں گی۔ بڑے بڑے اقدامات کا نام لینے سے پہلے اپنی قوتِ قلب کا' اپنی اخلاقی طاقت کا جائزہ لیجیے اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لیے جس دل گردے کی ضرورت ہے وہ اپنے اندر پیدا کیجیے۔''(۱۲۵)

محترم بھائیو! ''ملک خدائے ماست'' کے مصداق یہ ملک ہمارا ہے' اسلام ہمارا ہے' قرآن ہمارا ہے۔ جب ہمارے ملک میں اسلام نافذ نہیں' قرآن نافذ نہیں تو ان کے نفاذ کے لیے' ہمیں کوشش کرنا ہو گی' کوئی ہمارے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ اور یہ کوشش رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہونی چاہیے نہ کہ یورپ اور غیر سے درآمد شدہ طریقوں پر۔

گزشتہ سے پیوستہ چند ضروری باتیں

ملک وملت کی بڑی آزمائشیں

کسی ملک کے لیے بڑی آزمائشیں ہوتی ہیں اگر اس کی حکومت کا رُخ درست نہ ہو' لیکن اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ اس کی اپوزیشن کے عناصر محض منفی سوچ بچار رکھتے ہوں' مثبت حیثیت سے نہ ان کے پاس صحیح نظریہ ہو' نہ کردار اور نہ مردانِ کار۔ بلکہ وہ غلط سے غلط سلوگن اور ہتھکنڈے اختیار کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں اور برے سے برے عناصر کے ساتھ تعاون پر تیار ہوں۔ اور اس سے بھی زیادہ بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ کوئی قوم خود اپنے بھلے برے سے بیگانہ ہو جائے اور اس کے افراد محض ذاتی زندگی بنانے اور کمائیاں سمیٹنے اور تفریحات سے لطف اٹھانے میں لگ جائیں۔ یہ کہنے کی جرأت کیسے کی جائے کہ ہمیں کون سی آزمائشیں اور کون کون سی بدقسمتی درپیش ہے۔ لیکن ایک بات کہی جاسکتی ہے کہ کچھ نہ کچھ مشکل امتحانی لمحات سے ہم گزر رہے ہیں اور کئی قوتیں ہمارے وجود کو مٹانے اور مسخ کرنے اور اسے دوسروں کی غلامی میں دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ ایسے حالات میں آپ سیاسی دائرے کو چھوڑ دیں اور جلسوں کو بھول جائیں' سیدھے اپنے عوام اور شہریوں تک پہنچیے اور ان سے انفرادی سطح پر دین وایمان وآزادی اور سالمیتِ وطن کی بات کیجیے۔ لوگوں کے ذہنوں کو جمود اور انتشار کی حالت سے نکال کر دینِ برحق کے تقاضوں پر مرتکز کیجیے اور پیش آمدہ خطرات کی مزاحمت کے لیے انہیں تیار کیجیے۔

مطلوبہ قوت

ضرورت اس بات کی ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو آپ معاشرے کے کارآمد عناصر کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اٹھا کھڑا کریں جو دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں محض آپ کی تائید کرنے والے اور نعرے لگانے والے ہی نہ ہوں بلکہ وہ اس دعوت کو اپنی چیز سمجھیں۔ انہیں براہِ راست اس کا فہم حاصل ہونا چاہیے اور ان کے دلوں میں اس کی قدر ہونی چاہیے۔ اُن کے اندر اس کے لیے محنت اور قربانی کا جذبہ ہونا چاہیے' وہ نظامِ اسلام کے برپا ہونے کے لیے بے چین جذبات رکھتے ہوں' اس مہم میں ہمہ تن مصروف ہوں' ناواقف لوگوں کے شکوک وشبہات کے جواب دے سکیں' عام لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرسکیں' مایوسانہ رجحانات سے لوگوں کو نکال سکیں' مخالفین کی مخالفتوں کا مقابلہ کرسکیں اور شریر لوگوں کی شرارتوں کو ناکام کرسکیں۔ آپ انہیں کسی کام کے لیے پکاریں تو وہ چاروں طرف سے لبیک کہتے ہوئے لپکیں۔ دین اور خادمانِ دین کے معاندین اگر ارادۂ بد سے کوئی حرکت کریں تو وہ ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں' نظامِ حق کا قیام عمل میں آئے تو اپنے اندر سے اسے چلانے کے لیے باصلاحیت افراد فراہم کریں اور اُن کی بقیہ تعداد اس کا خیر مقدم کرنے والی اور خوش دلی سے اسے اپنے اوپر نافذ کرنے اور اسے آگے تک پھیلانے والی ہو' پھر دعوت اسلامی کی مسلسل چلتی رہنے والی مہم کے نتیجے میں ہر شعبۂ زندگی میں مردانِ کار ابھر آئیں۔ دفتروں میں' عدالتوں میں' وکلاء میں' اساتذہ میں' طلبہ میں' خواتین میں' تاجروں میں' مزدوروں میں' دکانداروں میں' صحافیوں میں' ادیبوں میں' ذرائع ابلاغ کے حلقوں میں' چھاؤنیوں میں' تھانوں میں' دیگر پرائیویٹ فرموں اور سرکاری محکموں میں خدا پرست' دیانت دار اور خادمِ خلق لوگوں کی تعداد تیزی سے بڑھے' یہاں تک کہ اگر اکثریت نہ بھی ہو تو کم سے کم ہر دائرے میں ہر سطح پر ہر صلاحیت کی ایک مؤثر وفعال اقلیت متحرک ہو جائے۔ جس لمحے تبدیلیٔ نظام کی یہ شرط پوری کر دی جائے گی بلا تأخیر غلبۂ اسلام کا دور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع ہو جائے گا' چاہے انقلابی راستے سے ہو یا انتخابی راستے سے۔

کام کیسے شروع کیا جائے؟

تو جن محبانِ دین کو کام کرنا ہو' جن کو حقیقت میں اپنے اندر کوئی بے چین جذبہ اسلامی انقلاب کے لیے محسوس ہوتا ہو اور جنہیں ناخوشگوار حالات کے موجودہ گھیرے کو توڑ کر بچ نکلنے اور تاریخ کے قلعے پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دینے کی خواہش ہو' وہ مندرجہ بالا شرائط کو پورا کرنے کے لیے زور لگائیں' ورنہ سطح کے اوپر اوپر نعرے لگانے سے سارے خواب پریشان ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر سطح کے نیچے آپ کام نہ کریں گے تو کوئی دوسری قوت اپنا تانا بانا پھیلا دے گی۔ خیال رہے کہ ہماری اس سرزمین میں دیمک بہت ہے اور سیم بھی ہے' چوہے بھی سرنگیں کھودتے رہتے ہیں۔ آپ اگر اوپر کسی عمارت کے اٹھانے کا نقشہ بنائیں تو اس بات کی فکر پہلے کر لیں کہ سطح کے نیچے ایسی مؤثر قوت پیدا ہو جائے جو سیم اور دیمک اور چوہوں پر قابو پا سکے' کچھ ایسی مساعی جن کا محض یہ اثر ہو کہ ہمیں تاریک فضا میں اپنا وجود محسوس ہوتا رہے' یہ بھی بڑی اچھی بات ہے۔ مگر اصل فیصلہ کن امر یہ ہے کہ آپ کا وجود پھیلتا یا سکڑتا ہے یا جامد بن کر رہ جاتا ہے۔ اسے سکڑنے نہ دیجیے' اسے جامد بھی نہ ہونے دیجیے' بلکہ اس میں پھیلاؤ پیدا کرنے کی تدبیر کیجیے' اس کا حجم بھی بڑھے اور وزن بھی اور قدر و قیمت بھی۔ ایسا ارادہ ہو تو یہ سخت محنت و مشقت کا کام ہے۔ فیصلہ کر لیجیے کہ آپ کو محنت و مشقت سے یہ مہم چلانی ہے' نہیں چلائیں گے تو آپ کا پہاڑ جیسا وجود بھی گھلتے گھلتے رائی بن کر رہ جائے گا۔ اور ایسی مہمات چلانے کے لیے کوئی ایک بنی بنائی ڈگر ہر قسم کی حالت میں کام نہیں دیتی' بلکہ بنی بنائی ڈگر پر چلتے چلتے بسا اوقات ذہنی جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈگر کو چھوڑیے اور جمود کو توڑیے!

طوبیٰ للغرباء

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹﴾ (آل عمران) ''اور نہ ڈھیلے پڑو نہ دلگیر ہو جاؤ اور تم ہی (آخر کار) غالب آؤ گے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو''۔ اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتے ہر طرف سے آ آ کر کان میں کہہ رہے ہیں کہ ﴿اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ (حٰم السجدۃ: ۳۰) ''نہ خوف رکھو نہ ملال''۔

پس ہزار ہدیہ تبریک (طُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ) خدا کے دین کے ہر اُس سپاہی کے لیے جس نے مخالفتوں کے ماحول میں بار بار اجنبی بن کر ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (المائدۃ:۸) ''خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے شاہد بن کر اٹھو'' کا تقاضا پورا کیا' جس نے گالیاں کھا کر' جھوٹے الزام سن کر' تضحیک کا نشانہ بن کر' کفر کے فتووں کے وار سہہ کر' تفرقہ باز مذہبی پیشواؤں کے فتنوں کا مقابلہ کر کے اور سرکاری عتاب کے تازیانے کھا کر اپنا وہ بڑا اجتماعی فرض ادا کیا جس کا عہد کلمۂ اسلام پڑھنے والا ہر شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا سے استوار کرتا ہے۔ ایسے لوگ شہر شہر گاؤں گاؤں سے ایک ایک' دو دو کر کے ﴿مَثْنٰی وَفُرَادٰی﴾ (سبا:٤٦) اٹھنے والے بے مزد سپاہی جب وسائل کے ساتھ بھی اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی ﴿خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ (التوبة: ٤١) نکل کھڑے ہوئے تو اس چھوٹی سی قوت کے ہاتھوں تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل گیا۔ ان کی منظم کوششوں سے کلمۃ اللہ کی گونج بڑھتی ہی گئی۔

اگر دعوتِ حق کے علمبردار اپنے آپ کو اس کیفیت میں پاتے ہیں تو آج کے حالات کی پیچیدگی کوئی ایسی مردافگن نہیں ہے کہ سپاہیانِ حق جی چھوڑ کر کمریں کھول دیں اور قلزمِ تاریخ کے ساحل پر اونگھتے ہوئے موجوں اور مختلف پیراکوں کی کشمکش کا تماشا کرتے رہیں۔ اگر ہمیں خدا نے پہلے بارہا خوفناک طوفانوں کا منہ پھیر دینے کی توفیق دی ہے تو آج بھی یہی ہوگا' لیکن اندر کی ایمانی کیفیت کمزور پڑ گئی تو پھر باہر کے سارے مسائل کو لپیٹ کر رکھ دیجیے اور گھر کے اندر کی خبر لیجیے۔

رسول اللہ ﷺ کی جماعت کی خصوصیات

آیئے ذرا سوچیں! نبی کریم ﷺ کی پکار پر اٹھنے اور آنحضور ﷺ سے تعلیم و تربیت پانے والی جماعت کی غیر معمولی قوت کا راز کیا تھا؟ اس کا راز یہ تھا کہ جو لوگ' جو ہستیاں اس میں شریک ہوتی تھیں' جن سے یہ جماعت مرکب تھی' ان ہستیوں نے ایک کلمے کے اوپر سودا کر لیا تھا اپنی جان و مال کا اور اپنی پسند و ناپسند کے اختیار کا' صرف ایک چیز کے بدلے میں کہ خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور خدا کی جنت میں جگہ ملے' پھر اپنی ساری چیزیں انہوں نے ملا کر ڈھیر کر دیں جماعت کے آگے' تحریک کے آگے' اس انقلابی مہم کے آگے جو نبی ﷺ نے اٹھائی تھی۔ بیعت کی اور بیعت کے اندر یہ معاہدہ کیا کہ ہم نے اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔ قرآن کریم میں اس کا ریکارڈ موجود ہے۔ یہ میں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ وہ جو ساری تبدیلی واقع ہوئی تھی وہ اس وجہ سے واقع ہوئی تھی کہ وہاں جان و مال کا سودا کر کے آنے والے لوگ موجود تھے' جنہوں نے ہمہ تن اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا اور ان کے ذریعے وہ تبدیلی آئی جس تبدیلی کے اثرات سے تاریخ آج بھی بھری پڑی ہے۔

غیر منظّم کوششیں

لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ اصل فوج یعنی ہمہ وقت ہر قسم کی قوتیں لگانے والی فوج محاذ پر موجود نہ ہو اور اگر ہو تو بڑی قلیل' تعداد برائے نام ہو' لیکن محاذ کے پیچھے اسلام کے شائق عام نعرہ باز اسلام کو پسند کرنے والے اور غلبۂ اسلام کو چاہنے والے موجود رہیں' بکھرے بکھرے' متفرق' جن میں سے کسی کا جی چاہے تو وہ چار پیسے خدا کی راہ میں خرچ کر دے' کسی کو شوق ہو تو کوئی کتاب لے کر پڑھ لے' کسی کا جی چاہے تو وہ جلسے میں شریک ہو جائے' کسی کا جی چاہے تو وہ کلمۂ خیر مخالفوں میں یا دوستوں میں بیٹھ کر کہہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے اور اس میں یہ آزادی ہے کہ وہ کیا کام کتنا کرے اور کتنا نہ کرے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے‘ کوئی حساب لینے والا نہیں ہے اور وہ پابند نہیں ہے اور کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ وہ اس امر کا بھی پابند نہیں ہے کہ کوئی آدمی اس کو حکم دے سکے کہ اس کام کو یوں کرنا ہے‘ اس کام کو فلاں وقت کے لیے روک دینا ہے اور فلاں وقت پر شروع کرنا ہے۔ یہ حکم دینے والا کوئی نہیں کہ فلاں کے ساتھ تمہیں مل کر چلنا ہے اور فلاں کے ساتھ مل کر نہیں چلنا ہے‘ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

اس طرح کے آزاد رضا کاروں کے بل پر اگر دنیا کا نظام چل سکے تو میرا یہ خیال ہے کہ کسی ملک میں کسی فوج کی ضرورت نہیں۔ تمام لوگ رضا کارانہ طور پر کہیں کہ جب کوئی حملہ ہوگا تو ہماری فوج حاضر ہے‘ ہمارا مال حاضر ہے اور ہم پروپیگنڈا بھی کرتے رہیں گے اور دعائیں بھی دیتے رہیں گے۔ لیکن یہ آپ جانتے ہیں کہ اس طرح کے رضا کاروں کی ٹیم کے اوپر اور کسی بکھری ہوئی قوت کے اوپر کسی ملک کے دفاع کا انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ محرک قوت جو ہمدردوں‘ خیر خواہوں اور رضا کاروں سے ان کے اپنے آزاد جذبے سے کچھ مشقتیں‘ کچھ خدمتیں انجام دلاتی ہے‘ وہ اپنا کام کرتی رہے اور اس سے پوری مہم چل جائے‘ یہ ممکن نہیں۔ البتہ اصل فوجی قوت اگر محاذ پر موجود ہو اور کافی تعداد میں موجود ہو اور کافی سامانِ جنگ اور وافر اسباب رسد کے ساتھ موجود ہو تو اس کو تھوڑی بہت بھی مدد اگر باہر سے پہنچتی رہے اور آس پاس سے اس کو تعاون حاصل ہوتا رہے تو وہ بہت بڑی مضبوط قوت بن جائے گی اور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

اسلامی انقلاب کے حامیوں سے اپیل

میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان لوگوں کی کوششوں کی کسی طرح بھی ناقدری کرنا چاہتا ہوں جو لوگ اگر کسی اسلامی انقلابی تنظیم میں کسی وجہ سے شامل نہیں بھی ہیں تو اس کے باوجود وہ اپنے جان و مال سے اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں‘ پس میں ان کی قدر کرتا ہوں اور ان کے لیے شکر گزاری کا جذبہ رکھتا ہوں۔ لیکن خدمت اسلام کا یہ طریقہ آئیڈیل نہیں ہے‘ یہ وہ مقام نہیں ہے جس مقام پر آپ وہ مقصد حاصل کر سکیں جس مقصد کا ذکر میں نے اشارتاً پہلے کیا ہے‘ اس مشن کے لیے مفید نہیں ہے جس مشن کے لیے ایک جماعت کا نظم کام کر رہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حقیقی فیصلہ کن قوت بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو احیاءِ دین اور نفاذِ شریعت کے لیے اٹھنے والی جماعت کی رکنیت کے مقام پر لائیں اور اس مقام پر نہایت مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوں اور اس کا حق ادا کریں۔ کسی بھی اسلامی تحریک میں شمولیت اور رکنیت کسی بیڈمنٹن کلب کی رکنیت و شمولیت کے برابر نہیں ہے‘ یہ کسی کاروباری فرم میں حصہ داری نہیں ہے‘ یہ کسی سیر و تفریح کی مجلس میں شرکت نہیں ہے۔ یہ کوئی سیاسی قسم کی پارٹی بازی اور گروہ بندی اور کسی فرقہ کی گروہ بندی نہیں ہے کہ جس میں آپ آئیں اور آپ کا نام لکھ دیا جائے اور اس میں آپ شریک ہو جائیں‘ بلکہ یہ نور ایمان کو اپنے اندر جذب کر کے شعوری طور پر پورے اسلام کو اپنے اوپر اور دنیا پر نافذ کرنے کا پروگرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اس پروگرام کو لے کر جن لوگوں کو اٹھنا ہو وہ اس جماعت کی طرف بڑھیں اور اس جماعت کی رکنیت قبول کریں۔لیکن رکن ہونے کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ آپ منزل تک پہنچ گئے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات ایک انسان رکنیت سے پہلے نفاذِ اسلام کے لیے زیادہ سرگرم ہوتا ہے' لیکن رکنیت میں آنے کے بعد بخیالِ کارکن محسوس کیا جاتا ہے کہ انہوں نے منزل پالی اور منزل پا لینے کے بعد جیسے ان پر نیند طاری ہوگئی ہو۔لیکن سمجھنے کی بات ہے' بلکہ خوب سمجھ لیجیے کہ آپ کے رکن بننے کے بعد آپ کی ذمہ داریوں کا اصل آغاز ہوتا ہے۔ اور سب سے پہلی ذمہ داری ایک صاحب ایمان کی اور کسی بھی اسلامی نظام جماعت کے صحیح کارکن کی یہ ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو اپنے اوپر نافذ کرنے۔ایمان اور اسلام کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے معنی کیا ہیں؟ بقول نعیم صدیقی صاحب: یہ ہجرت کرنا ہے دراصل ایک طریق زندگی سے دوسرے طریق زندگی کی طرف' ایک طرح کی عادات سے دوسری طرح کی عادات کی طرف' ایک طرح کے افکار سے دوسری طرح کے افکار کی طرف' ایک طرح کے حالات سے دوسری طرح کے حالات کی طرف۔ بہرحال جس زندگی میں ایمان داخل ہو جائے اس میں عبادات بھی پیدا ہونی چاہئیں' اس میں ذکر بھی پیدا ہونا چاہیے' اس میں علم بھی پیدا ہونا چاہیے' اس میں اخلاق بھی آ جانے چاہئیں' اس میں پابندیٔ نظامِ اوقات بھی اور شائستگیٔ اطوار بھی اور خیر و خوبی کی ہر دوسری چیز بھی اس میں آ جانی چاہیے اور یہ احساس بھی آ جانا چاہیے کہ میرے ذمہ کیا ذمہ داریاں ہیں۔

گزری ہوئی زندگی کا محاسبہ ☆

برادرانِ اسلام! ابھی وقت ہے کہ ہم ذرا دور اندیشی سے کام لیں اور اپنی گزری ہوئی زندگی کا جائزہ لیں۔اپنے نفع و نقصان کا حساب لگائیں اور یہ دیکھیں کہ جس جنسِ زندگی اور اس کے ساز و سامان کو امانتاً لے کر اس دنیا کے بازار میں کچھ کمانے کے لیے آئے تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا کیا؟ ان کا کس قدر حصہ نفع بخش کاموں میں لگایا' کس قدر اپنی نادانی سے بے کار کھو دیا اور کس قدر —— دانستہ و نادانستہ —— اس صاحب امانت کے منشاء بلکہ اس کے صریح احکام و ہدایات کے خلاف دوسرے کاموں میں خرچ کر ڈالا۔ ہاں' ابھی وقت ہے کہ یہ سوچیں کہ جس قدر سرمایہ ہم سے کھو گیا یا ہم نے کھو دیا' کیا اس کے لیے ہمارے پاس کوئی ایسے معقول وجوہ موجود ہیں کہ اس سفرِ دنیا سے واپسی پر جب ہم اپنے اس علیم و خبیر' خالق و مالک

☆ یہ دراصل میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی کی لکھی ہوئی ایک تحریر سے اقتباس ہے' جو ابتداءً محرم ۱۳۶۴ھ میں ایک پیغام کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔پھر کچھ اضافے کے ساتھ اسے ''دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات'' میں شامل کر دیا گیا اور جولائی ۱۹۷۶ء سے یہ مضمون مکمل نظر ثانی کے ساتھ جماعت اسلامی کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔مضمون کی افادیت کے پیش نظر ہم اس کو اپنے مضمون کا آخری حصہ بنا کر اور کچھ اقتباسات اس مضمون سے اخذ کر کے اسے خادمین اسلام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔(ق-ی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صاحبِ امانت کے سامنے حساب کے لیے بلائے جائیں تو درجات و مراتب پانے والے نہ سہی قابل درگزر ہی قرار پا جائیں؟ اس لیے ان تمام لوگوں کو جو اللہ‘ اس کی کتاب‘ اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جزا و سزا کے قائل ہیں عموماً اور ان حضرات کو جو خیر امۃ (۱۲۶) اور شھداء علی الناس (۱۲۷) میں شمار ہونے کی تمنا اور لہ الخلق والامر (۱۲۸) کا عملی پروگرام لے کر اٹھے ہیں خصوصاً اپنی گزشتہ زندگی اور اپنے اب تک کے کارناموں کا محاسبہ کر کے اندازہ کرنا چاہیے کہ اپنی زندگی کا جو سرمایہ وہ ختم کر چکے ہیں اس کا کس قدر حصہ صاحب امانت کے منشاء کے مطابق‘ اس مقصد کے لیے صرف ہوا جس کے لیے یہ امانت انہیں عطا کی گئی تھی اور اس کا کس قدر حصہ انہوں نے اپنی نادانی یا سرکشی سے‘ اس کے منشاء کے خلاف خرچ کر ڈالا ہے اور اب تک کیے جا رہے ہیں۔

ان امور کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے ہر شخص کو پوری جز رسی کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے کہ ہماری جسمانی و دماغی قوتیں اور قابلیتیں‘ ہماری انفرادی اور اجتماعی جدوجہد اور کوششیں‘ ہمارے کاروبار اور تجارتیں‘ ہماری محبتیں اور عداوتیں‘ ہماری زیر تربیت آئندہ نسلیں‘ ہمارے مال و دولت اور جائیدادیں‘ مختصر یہ کہ زندگی کے وہ تمام ذرائع و وسائل جو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت و بندگی اور فریضۂ خلافت کی انجام دہی کے لیے‘ ہمیں عطا فرمائے تھے‘ اب تک کن کاموں اور کن مقاصد کے لیے صرف ہوتے رہے؟ کیا وہ تمام تر یا بیشتر نظام باطل کے قیام‘ خدا سے بے نیاز و سرکش اقتدار کے استحکام اور خدا کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے ہی کے لیے وقف رہے یا ان کا کوئی حصہ خدا اور اس کے دین کے لیے بھی صرف ہوا؟ اور کچھ صرف ہوا تو باطل نظام ہائے زندگی اور خود اپنے نفس کے لیے صرف ہونے والے حصہ سے اُس کا تناسب کیا ہے؟ اگر آخرت کی کچھ بھی فکر ہے تو ہمیں سنجیدگی سے حساب لگا کر دیکھنا چاہیے کہ ہماری جملہ مادی‘ جسمانی اور دماغی قوتیں اور قابلیتیں خدا سے بے نیازی و بغاوت پر مبنی نظامِ زندگی کو چلانے اور مستحکم کرنے میں کتنا حصہ لیتی رہیں اور لے رہی ہیں اور اس انسانی زندگی (۱۲۹) کے نظام کو خدا کی بندگی پر قائم اور دنیا کو اس کی نافرمانی اور شر و فساد سے پاک کرنے میں کتنا حصہ لیتی رہیں اور لے رہی ہیں؟ ہماری انفرادی اور اجتماعی کاوشیں کس حد تک مصنوعی اور خود ساختہ‘ زندہ و مردہ خداؤں کی خدائی کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے وقف ہیں اور کس حد تک اللہ کی حاکمیت اور اس کے مشروع نظامِ زندگی کے قیام کے لیے صرف ہو رہی ہیں؟ ہمارے کاروبار اور تجارتیں کہاں تک اللہ کی حدود و حرام و حلال کے مطابق چل رہے ہیں اور کہاں تک اُن سے آزاد اور بے پرواہ ہو کر؟ ہماری ساری دوڑ دھوپ اور مصروفیتیں مرغوباتِ نفس اور قربِ طاغوت کے لیے ہیں یا رضائے الٰہی کے حصول کے لیے؟ اپنی آئندہ نسلوں کو ہم اللہ کی پسندیدہ راہ پر چلنے اور اس کی خوشنودی کی خاطر جینے اور مرنے کے لیے تیار کر رہے ہیں یا اپنی اس عزیز ترین متاع کو ''مغضوب'' اور ''ضالین'' کے قدم بقدم چلنے کے قابل بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے مال و دولت اور دوسرے وسائل زندگی کا کتنا حصہ طاغوت کے لیے ہے‘ کتنا خود اپنے نفس کے لیے اور کتنا دینِ حق کی جدوجہد کو پروان چڑھانے کے لیے؟ اور پھر مسلمانوں نے اپنا کتنا خون جس کی قیمت ایک مسلمان اپنے ربّ سے عہد وفاداری استوار کرتے ہی وصول (۱۳۰) کر لیتا ہے‘ طاغوت کی وفاداری میں بہایا اور بے دریغ بہائے بہائے چلے جا رہے ہیں اور اس کی حاکمیت و اقتدار کی حمایت میں کتنے بچوں کو یتیم‘ سہاگنوں کو بیوہ‘ ماؤں کو بے سہارا‘ بھائیوں کو بے بازو اور خلق خدا کو تباہ و برباد کر دیا؟☆

ذرا سوچیے! ضد میں مبتلا ہو کر نہیں‘ ٹھنڈے دل سے اور آخرت کے نقطۂ نظر سے سوچیے کہ کیا اس کی تلافی کی کوئی صورت ممکن ہے؟ یہی نہیں‘ اس وقت بھی آپ بتائیے کہ ہماری روزانہ کی زندگی کے چوبیس گھنٹوں اور خدا کے عطا کردہ مال میں سے کتنا وقت اور مال غیر اللہ کے لیے وقف ہے اور کتنا قیامِ دین کی جدوجہد کے لیے اور اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ہمارا کام یہ بتایا تھا کہ ﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ﴾(آل عمران:۱۱۰) ’’اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے‘ تم نیکی کا حکم دیتے ہو‘ بدی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو‘‘۔ اگر ایک مسلمان ان پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ذرا ٹھنڈے دل سے چند منٹ کے لیے اپنی زندگی پر نگاہ ڈالے تو وہ خود ہی فیصلہ کر لے گا کہ اس نے اس امانت کا حق جو اس کے خالق اور مالک نے اس کے سپرد کی تھی‘ کہاں تک ادا کیا ہے‘ اللہ کے ہاں اسے کس سلوک کا مستحق ہونا چاہیے اور جس دین اور عقیدے کا وہ دعوے دار ہے اس میں کس قدر صادق اور کس قدر منافق ہے! اور وہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝۸﴾(البقرۃ) ’’لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے تو ہیں کہ وہ اللہ اور یوم آخرت کو مانتے ہیں لیکن (ان کی عملی زندگی گواہ ہے کہ) وہ مؤمن نہیں ہیں‘‘۔ اور ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی ص فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ﴾(البقرۃ:۱۶) ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی مگر یہ سودا ان کے لیے نفع بخش نہیں ہے‘‘ کے زمرے سے بچا ہوا ہے یا ان میں شامل ہے۔

☆ واضح رہے کہ یہ مضمون دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں لکھا گیا تھا جس وقت ہزاروں لاکھوں مسلمان انگریزوں کی فوج میں یہ خدمت انجام دے رہے تھے‘ لیکن آج کے زمانے پر قیاس کریں تو آج بھی ہم اس زمانے سے پیچھے تو نہیں ہیں‘ اور حیرت ہے کہ ریت کے ذرے بھی اتنی تعداد میں کسی خطہ ارض میں جمع ہو جائیں تو اسے ریگستان بنا دیتے ہیں اور پانی کے قطرے بھی اس تعداد میں کہیں جمع ہو جائیں تو وہ سیلاب بن کر بہہ نکلتے ہیں‘ لیکن دنیا میں اتنے مسلمان موجود ہوتے ہوئے بھی نظام اسلامی کہیں قائم نہیں۔ اور ہمارے تمام اسلامی ممالک اور ان کے حکمران تو آج براہِ راست مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہیں اور انگریزوں کے حلیف بنے ہوئے ہیں اور ان سے دو قدم آگے ہیں۔ خدا کے لیے خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنے اعمال پر تنقیدی نگاہ ڈالیے‘ یہود کے نقشِ قدم پر چلتے رہو گے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہود کا سا برتاؤ آپ کے ساتھ نہ کیا جائے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال مذکورہ ارشاداتِ الٰہی کی صراحت فرماتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (۱۳۱)

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہش نفس کو اس چیز کے تابع نہ کردے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

خلاصۃ الکلام

قرآن وحدیث کی ان تصریحات سے یہ امر صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی کتاب کو بنیادی ضابطۂ زندگی بنا کر اپنی پوری زندگی اس کے رسول ﷺ کی رہنمائی میں بسر کی جائے۔ ورنہ خدا اور رسول کی عملی اطاعت اور پیروی کے بغیر توحید کا محض اقرار ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کلمہ توحید کے اقرار کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے بعد اب اس آدمی کی پوری زندگی اور اس کے سارے معاملات‘ عقائد وافکار‘ اخلاق واطوار‘ تہذیب وتمدن‘ معیشت اور معاشرت‘ سیاست اور عدالت‘ انفرادی اور اجتماعی روابط‘ سب کا مرکز ومحور اور مبدأ ومرجع قرآن وسنت ہوں گے اور اس کی تمام سعی وجہد رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہوگی۔ لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ دوسرے نظام ہائے زندگی کے بارے میں تو سبھی لوگ یہ خوب سمجھتے ہیں بلکہ پورے شرح صدر کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں کہ جس نظامِ زندگی اور رواج زمانہ کو اختیار کیا جائے اس کے فوائد وبرکات سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے دل ودماغ اور فکر ونظر سے لے کر لب ولہجہ اور شکل وشباہت تک سبھی کچھ اس کے مطابق ڈھال لینا چاہیے۔ لیکن اسلام اور اسلامی نظامِ زندگی کے بارے میں ان کا دستور یہ ہے کہ ان کی تمام برکات وحسنات صرف ان کا نام لے دینے اور زندہ باد کا نعرہ بلند کردینے سے حاصل ہوجانی چاہئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف صاف بتادیا ہے کہ وہ نہ صرف واحد معبود (اِلٰهِ النَّاس) ہے بلکہ وہی اپنی مخلوق کا پالنے والا (رَبِّ النَّاس) اور ان کا فرماں روائے حقیقی (مَلِكِ النَّاسِ) ہے۔ اس کے ساتھ نہ کوئی الوہیت میں شریک ہے نہ ربوبیت میں اور نہ بادشاہی میں‘ اور اس نے اپنے بندوں کو ایک پورا نظامِ زندگی دے کر انہیں حکم دیا ہے کہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ''اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے (اپنے سب کچھ سمیت) اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو''۔

ظاہر بات ہے کہ جس معاملے میں بھی آدمی اسلام کی راہ اختیار نہیں کرتا اس میں شیطان ہی کی پیروی کرتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ اللہ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (یوسف:۴۰) یعنی فیصلہ کرنے اور حکم دینے کے سارے اختیارات اللہ ہی کو ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس وقت مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی مندر کے بت کی حیثیت دے کر مسجد کی چاردیواری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر محدود رکھنے پر مصر ہیں کہ اسے بس پوجا کے وقت سجدہ کرلیا جائے لیکن زندگی کے باقی امور و معاملات میں اسے کوئی دخل نہ ہو، یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہ جو اختیارات ان کے خود ساختہ فرماں روا اُن کے ربّ کو بخوشی دینے پر رضامند ہوں اس حد تک یہ اپنے ربّ کے احکام پر بھی عمل کرلیں مگر باقی تمام معاملاتِ زندگی شریعت الٰہی سے قطع نظر خدا سے سرکشی و بے نیازی پر مبنی نظامِ زندگی کی اطاعت اور بندگی میں ہی چلتے اور طے پاتے رہیں۔ اس طرزِ فکر کے مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنے ربّ کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اس سے سودے بازی کرتا ہے اور: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اللہ کسی متنفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا'' کو حجت بنا کر ہر اُس شے کو اپنی وسعت سے باہر قرار دے لیتا ہے جس میں مال و جان کا کچھ بھی نقصان نظر آتا ہے یا جو نفس کو غیر مرغوب اور جسم و جان کے لیے کچھ تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔ کہیں ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرۃ:۱۹۵) ''اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو'' کو من گھڑت معنی پہنا کر نہ صرف اپنے لیے اقامت دین کی جدوجہد سے فرار اور نظامِ باطل سے سازگاری اور اس کی پشتیبانی تک کے لیے جواز نکال لیتا ہے، بلکہ ان میں سے بعض حضرات یہ بھول کر کہ ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۴۷، التوبۃ:۳۴، ھود:۱۹) ''وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں'' قرآن نے ان کفار و مشرکین کی صفت بیان کی تھی جو رسولِ خدا کی بلند کردہ دعوتِ شہادتِ حق کی راہ روکنے کے لیے اٹھے تھے، اپنے ملک میں اٹھنے والی اقامتِ دینِ حق کی دعوت سے عام لوگوں کو متنفر و منحرف کرنے اور باطل کی قوتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ وسعت کا فیصلہ وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور حشر کے روز وہ انہی لوگوں کی زندگیوں سے ایک ایک واقعہ کو سامنے لا کر بتائے گا کہ کس طرح ان کے اپنے محبوب مقاصد اور مرغوب نفسی مشاغل کے لیے تو ساری ہی وسعتیں ان کے اندر موجود تھیں اور یہ عذرات اور بہانے صرف اس کے دین کی اقامت کی جدوجہد کی حد تک ہی ان کی راہ میں حائل ہوتے تھے۔

حیرت ہے ان حضرات پر، جب اپنے محبوب مفادات و مقاصد اور اعزازات کے حصول کا سوال ہوتا ہے تو اس راہ میں نہ وسعت کی کوئی کمی حائل ہوتی ہے نہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کا کوئی اندیشہ رکاوٹ بنتا ہے اور نہ قرآن مجید کے کسی حکم کی کوئی ادنیٰ خلاف ورزی ہوتی ہوئی ان کو نظر آتی ہے۔ صرف اللہ کے دین کے قیام کی جدوجہد کے مطالبہ پر اللہ کے کلام کی یہ تأویلات ان کو سوجھنے لگتی ہیں:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝٤ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦﴾ (الناس)

''دعا کرو کہ میں اس اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو نوع انسانی کا خالق و پروردگار بھی ہے، مالک و فرماں روا بھی ہے اور خدا بھی، چھپ چھپ کر وسوسہ اندازی کرنے والے ہر شیطان سے، جو لوگوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے‘ خواہ شیاطین جن میں سے ہو یا شیاطین انس میں سے‘‘

میں تمام اہل اسلام کو اور ان بھائیوں اور بہنوں کو بالخصوص‘ جو اللہ کے دین کی اقامت اور سر بلندی کی تحریک میں شریک ہیں یا عملاً شریک ہو چکے ہیں‘ توجہ دلاتا ہوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جو عہد کلمۂ شہادت کے ذریعے کیا ہے اسے ہر آن اور ہر معاملے میں ملحوظ رکھیں اور اپنی پوری زندگی اور اس کے سارے معاملات کی عمارت اس عہد کی بنیاد پر تعمیر اور استوار کریں‘ یہاں تک کہ ہماری زبان سے نکلنے والا کوئی کلمہ‘ ہمارے دماغ میں آنے والا کوئی خیال‘ ہمارے ہاتھ‘ پاؤں اور دوسرے قویٰ سے سرزد ہونے والا کوئی فعل‘ ہماری روزانہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں سے کوئی معاملہ بھی ہمارے اس عہد کے منافی نہ ہو‘ بلکہ ہمارے سب معاملات و مشاغل مثبت طور پر اللہ کے نازل کردہ نظامِ حیات کا عملی نمونہ اور اس کے آئینہ دار ہوں اور ہماری پوری زندگی اور اس کی مصروفیتیں شریعت الٰہی کی رسّی سے اطاعت الٰہی کے کھونٹے سے بندھی عقیدۂ توحید کے گرد اس طرح گھوم رہی ہوں کہ دنیا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذّٰریٰت) ’’میں (اللہ) نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس کام کے لیے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ یعنی میری مقرر کردہ راہِ حیات سے سرمو اِدھر اُدھر نہ ہوں‘‘ کی عملی تفسیر دیکھ لے۔ یہی اصل دین اور سچی خدا پرستی ہے‘ اسی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور بس۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ!!

حواشی

(٦٤) بحواله: بوابة العرب نت مصر نگران احمد سعد الدين تاريخ ١٩٩١/٩/٨ بعنوان : البيعة: (ذكر بعض السلبيات وتقويمها)۔

(٦٥) د /يوسف القرضاوى (العمل الاسلامى الجماعى رأى واجتهاد بحواله القرضاوى نت تاريخ٢٠٠٥/٠٥/٢٤ و اسلام اون لائن نت قسم بنك الفتوى۔

(٦٦) المفتى:د/جمال الدين عطية۔ البيعة فى الاسلام بحواله اسلام اون لائن بنك الفتوى۔

(٦٧) المفتى /فتحى يكن و استاد فتحى عبدالستار بحواله اسلام اون لائن نت۔

(٦٨) د/سليمان العودة۔البيعة فى الحركات الاسلامية۔ الاسلام اليوم نت۔

(٦٩) فتاویٰ ثنائیہ‘ جلد دوم‘ ص ٦١٨۔

(٧٠) امارت و صدارت ‘ تاليف ممتاز احمد عبداللطيف ناشر مركز الاصلاح التعليمى الخيرى‘ امواء‘ مدينة الشيخ‘ شيوهر‘ بهار انڈيا۔

(٧١) السلوك الاجتماعى فى الاسلام لحسن ايوب ‘ ص ٥١٢ و كتاب العمل الجماعى لمصطفى الطحان۔

(٧٢) سنن ابى داؤد‘ ج٣‘ ص ٣٦‘٣٧۔

(٧٣) د/محمد عبداللطيف البناء۔ عنوان الموضوع البيعة مفهومها ومدى مشروعيتها لغير الحاكم۔ عنوان السوال: ما مفهوم البيعة؟ وهل تجوز البيعة لغير الحاكم؟ بحواله اسلام اون لائن‘ تاريخ ٣٠/٤/٠٧۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(٧٤) بحواله ماهنامه اوزبکستان المسلمة' سوال نمبر٧۔

(٧٥) بحواله الاسلام اليوم نت ١٤٢٨/٤/٢٩ المفتی ولید بن علی الحسین پروفیسرواستاد قسیم یونیورسٹی سعودی عربیہ۔

(٧٦) طلیعة التغییر والبناء٥۔ للشیخ رائد صلاح بحواله صحیفة الحق والحریة' تاریخ ٢٥ مایو٢٠٠٦۔File//D./5

(٧٧) نفس المصدر۔

(٧٨) نفس المصدر ومعالم فی الطریق وکتاب حول اساسیات المشروع الاسلامی لنهضة الامة قرأة فی فکر الامام الشهید حسن البناء اعداد أ/د عبدالحمید الغزالی' ناشر دار التوزیع والنشر الاسلامیة القاهرة۔

(٧٩) قانون النظام الاساسی لهیئة الاخوان المسلمین' ص ٧۔

(٨٠) عبدالله ناصح علوان سابق استاد الدراسات الاسلامیة' کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جده سعودی عربیہ۔ کتاب بین العمل الفردی والعمل الجماعی' ص٥٨ مضمون ناشر دار السلام للطباعة والنشر والتوزیع والترجمة۔

(٨١) تفهیم المسائل ج٢' ص ٢٧١ ازمولانا گوهر الرحمن ؒ طبع مکتبة تفهیم القرآن مردان۔

(٨٢) تاریخ نجد از امام حسین بن غنام ؒ۔ ج٢' ص ٨٤'٨٣ حیاة الشیخ محمد بن عبدالوهاب۔ تحقیق ناصر الدین الاسد۔ ناشر دار الشروق/بیروت قاهره الطبعة الرابعة ١٤١٥هـ —١٩٩٤ء۔

(٨٣) (ا) فتویٰ دار الافتاء دارالعلوم دیوبند انڈیا۔

(ب) صحیح البخاری'ج١٢' ص ٧١' مناقب زید بن حارثه۔ والترمذی' ج١٢' ص ٢٩٨' مناقب زید بن حارثه۔ و مسند احمد' ج١٢' ص ١٥٩۔

(٨٤) مرقات' ج١١' ص ٣٨٤' باب مناقب۔

(٨٥) مشکوٰة المصابیح' ص ٣١٩' قال الطیبی شبه رأسه بالزبیبة اما بصغره واما لان شعور رأسه مسقط تحقیرا لشانه ۔ مرقات ١٩٩/٧۔

(٨٦) اهتمام و شوریٰ' ص ٧٨ زمزم پبلشرز' کراچی۔

(٨٧) تفسیر کبیر' ج٤' ص ٥٣٤۔

(٨٨) انوار التنزیل' ج٢' ص ١٤۔

(٨٩) ابن کثیر' ج١' ص ٥١٨۔

(٩٠) تفسیر خازن' ج١' ص ٣٧٢۔

(٩١) الابواب والتراجم' ج٥' ص ٣٤۔

(٩٢) تفسیر احمدیه' ص ١٧٩۔

(٩٣) مشکوٰة' صفحه ٢٣١' آداب السفر۔

(٩٤) مشکوٰة شریف' باب الامارة' ص ٣٢٠۔

(٩٥) خلاصة التفاسیر' ص ٣٩٩۔

(٩٦) اکسیر هدایت' ص ٤٢٩۔

(٩٧) روح المعانی' ج٤' ص ١٠٧۔

(٩٨) تفسیر جلالین' پاره٤'ص ٦٣۔

(٩٩) تفسیر مدارك' پاره٤' ص ١٥٠۔

(١٠٠) تفسیر مظهری' ج٢' ص ١٦٢۔

(١٠١) تفسیر بیضاوی' ص٩٤۔

(١٠٢) تفسیر روح البیان' ص ١١٦۔

(١٠٣) بیان القرآن' پاره٤' ص ٦٨۔٦٩۔

(١٠٤) احکام القرآن' ج٤' ص ٤١۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۰۵) احکام القرآن' ج۲' ص ۴۱۔
(۱۰۶) تفسیر کبیر' ج۳۳' ص ۱۹۵۔
(۱۰۷) مشکوٰۃ المصابیح' ص ۲۷۶۔
(۱۰۸) مشکوٰۃ المصابیح' ص ۳۰۔
(۱۰۹)حیاۃ الصحابۃ' ج۱' ص ۳۹۸۔
(۱۱۰) حیاۃ الصحابۃ' ج۱' ص ۴۔
(۱۱۱) سیرۃ الصدیق' ص ۲۸۴۔
(۱۱۲) سیرۃ الصدیق' ص ۲۹۱۔
(۱۱۳) حیاۃ الصحابۃ' ج۲' ص ۲۲۔
(۱۱۴) حیاۃ الصحابۃ' ج۲' ص ۴۱۔
(۱۱۵)حیاۃ الصحابۃ' ج۲' ص ۴۱۔
(۱۱۶) اهتمام و شوریٰ' ص ۲۵۔
(۱۱۷) دعوت و تبلیغ' مطبوعه پاکستان بحواله اهتمام و شوریٰ' ص ۱۰۷
(۱۱۸) اصلاح' ص ۱۸۰' غایۃ النجاح' بحواله اهتمام و شوریٰ' ص ۱۰۷۔
(۱۱۹) تفسیر احسن البیان اردو' دارالسلام' ص ۲۶۷ برحاشیۃ ۱'سورۃ النحل۔
(۱۲۰) فتح الباریٰ' کتاب الاشربۃ۔
(۱۲۱) صحیح البخاری و صحیح مسلم۔
(۱۲۲) بحواله تفسیر ابن کثیر۔
(۱۲۳) البلاغۃ الواضحۃ۔
(۱۲۴) نفس المصدر۔
(۱۲۵) بحواله ندائے خلافت' لاهور ۲۰۰۸ء' شماره ۴۔
(۱۲۶) ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)
(۱۲۷)﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(البقرۃ:۱۴۳)
(۱۲۸) ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف:۵۴) جب خلق اسی کی ہے تو حکم بھی اس کا چلنا چاہیے' یعنی جب مخلوق کے پیدا کرنے میں کوئی دوسرا شریک نہیں تو اس پر فرماں روائی اور حکم چلانے میں کوئی دوسرا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔
(۱۲۹) ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹) ''اللہ کے نزدیک انسانوں کے لیے صحیح طریق زندگی اسلام ہی ہے''۔﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران:۸۵) ''جو اسلام کے سوا کوئی اور طریق زندگی اختیار کرے گا اسے خدا کے ہاں قبولیت حاصل نہیں ہو گی''۔ ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳) ''میں (اللہ) نے اسلام کو تمہارے لیے نظامِ زندگی کے طور پر مقرر کیا ہے''۔
(۱۳۰) ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ (التوبۃ:۱۱۱) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اوران کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں' چنانچہ مؤمن اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' (اللہ کے دشمنوں کو) قتل کرتے ہیں اور اور اپنی جانیں کھپاتے ہیں''۔
(۱۳۱) مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الایمان' باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

© rasailojaraid.com